پروفیسر اسلوب احمد انصاری ایک آئینۂ روشن

پروفیسر عفّت آرا

''گلفشاں'' اللہ والی کوٹھی کمپاؤنڈ، دودھ پور، سول لائنس، علی گڑھ، موبائل: 9759999868

مشکل پسندی ان کا وصف تھا اور سہل چیزوں سے وہ گریز کرتے تھے کیوں کہ اسی جستجو نے اُنھیں زندگی کے پُر پیچ مراحل سے گزرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ وہ کاروانِ حیات کو آگے لے جانے کے قائل تھے چاہے راہ میں بندشیں ہوں، خطرات ہوں، سکوت ہو اور بظاہر تاریکی کا تسلط ہو۔ وہ روشنی سے منور ہونے کا ہنر جانتے تھے کیوں کہ وہ پست حوصلہ اور کم ہمت نہیں تھے۔ وہ پیام نو کے پیکر تھے اسی سبب اپنے محبوب شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے شعر سے اپنے وجود کی نمود کراتے تھے:

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ

وہ کوئی ناصح نہیں تھے جو دوسروں کو درس دینے کا عمل کرتے ہوں، نہ اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کرتے تھے کیوں کہ اُن کا نظریہ علامہ اقبال کے اس مصرعے میں پوشیدہ تھے:

خرد نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ

وہ طلوع آفتاب کی طرح اس علم وفن کی دنیا میں ہر سو معروف و مقبول تھے کیوں کہ یہی اُن کی کاوش تھی کہ علم کے رموز سے واقف ہو کر اس کی ضیا ہر جانب پھیل جائے۔ اُن کے مضامین، کتابوں اور شائع کردہ رسالوں کے ذریعے اس میں کوئی خودنمائی نہیں بلکہ ایک شمع روشن کرنے کا جذبہ تھا اور اسی سبب لندن کا طریقۂ کار، وہاں کا عالمانہ ماحول بار بار اُنھیں اس سرزمین کی طرف لے جاتا تھا جہاں علم کے گہوارے بڑے جاذبِ نظر اور اثر انگیز تھے:

مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے

وہ حصولِ علم کا سلسلہ برابر جاری رکھتے تھے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ اس میں اضافے ہوتے رہے۔ ان کا زرخیز ذہن ایک ایسا خزینہ تھا کہ اس میں کتنی زبانوں سے حاصل کیا گیا سرمایہ جمع ہوتا رہا اور پھر کیسے نئے نکتے ان کی مفکرانہ طبیعت نے پیدا کیے اور کس طرح خیالات کا تلاطم نئے رُخ اختیار کرتا رہا۔ وہ خود بھی اپنے ذہن کی پرواز سے بے خبر تھے:

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہر مرے بحرِ خیالات کا پانی

وہ کسی کی رہنمائی یا ہمت افزائی کے محتاج نہیں تھے بلکہ ایک جذبۂ شوق تھا جو اُن کے اندر موج زن تھا اور اُن کا ذہن، اُن تمام جذبوں کو فروغ دیتا تھا۔ وہ اسی سبب سدا بہار رہے، خزاں کا تصور ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔ وہ تو باغ و بہار تھے، ہر لمحہ اپنے ذہن کی آبیاری کے لیے خیالات کو ترتیب دیتے رہتے تھے اور وہ کبھی تھمتے نہ تھے بحرِ بے کراں کی طرح:

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے

وہ محویت کے عالم میں ذوق وشوق سے علم کی دولت سے سرفراز ہوتے رہتے تھے جیسے کوئی مہم جو اپنی راہ کی تلاش میں سرگرداں ہو بغیر کسی صلے کی طمع دل میں چھپائے بس اس اُمید کے ساتھ کہ جو سراغ وہ پائیں گے وہ علم کے سیلاب میں اُنھیں آگے لے جائے گا اور شاید کوئی شے اُن کی گرفت سے باہر نہیں ہوگی:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

وہ مغرب کی روح افزا فضا میں محو ہو کر مشرق کے سوز و گداز کو تو فراموش نہیں کر سکے، لیکن مغرب نے اُن کے ذہن کی افزائش کی اور اس علم و ادب اور تمدن کے سرمائے سے وہ اردو ادب کی زینت میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے تجزیے کے عمل سے اردو نظم و غزل کو گزارا، تنقید میں نئے نکتے پیدا کیے۔ انگریزی جریدے کی طرز پر اردو کا تنقیدی مجلّہ شائع کیا اور دونوں رسائل میں اہلِ زبان کے لکھنے والوں کے ساتھ خود بھی برابر شریک رہے۔ یہ دونوں رسائل اپنے مصنّفین کی سربلندی اور شہرت کا باعث بنے اور دونوں ادب کا معیار بے مثال بن گیا۔ شاید علامہ اقبال کا شعر اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

ہر ایک مقام سے گزر گیا مہِ نو
کمال کس کو میسّر ہوا ہے بے تگ ودَو

اُنھوں نے زندگی کے قیمتی ماہ وسال ادب سے شغف کی نذر کردیے اور تقریر وتحریر کے وہ کمالات دکھائے کہ اس میں اپنے ہم خیال اور باصلاحیت ہم نشین بھی پیدا کیے جو اس قافلے میں شامل ہوگئے جس کے وہ سربراہ تھے:

نگہِ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

وہ ہمیشہ خیالات کے اتھاہ سمندر میں غرق رہتے تھے کیوں کہ وہ عجیب وغریب ذہن جو خدا نے اُنھیں بطورِ خاص عطا کیا تھا کبھی نہ غافل ہوا نہ بیکار رہنے کا عادی تھا۔ اس خیالات کے سرمائے کا رقبہ کتنا پھیلا ہوا تھا اس کا اندازہ شاید خود اُن کو تھا جب وہ تحریر وتقریر کے عمل سے گزرتے تھے تو مناسب انتخاب اُن کا اپنا کمال تھا۔ وہ اس سلسلے میں بھی بار، بار خیالات اور الفاظ کو ناپتے تولتے رہتے تھے جب تک اُن کا پیمانہ صحیح توازن نہ قائم کرسکے۔ اُن کے فکر ونظر کا عمل جاری رہتا تھا اور خفیہ رموز کو جاننے کی خواہش اُنھیں بے چین رکھتی تھی:

چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا
زندگی قطرے کو سکھلاتی ہے اسرارِ حیات

وہ زیست ومرگ کی کشمکش پر تو توجہ نہیں دیتے تھے کیوں کہ یہ مایوسی اور تاریکی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، لیکن ادب وفن کے جتنے پہلو تھے اُنھیں جاننے کا اُنھیں جنون تھا کیوں کہ وہ تمام مشکل سوالات کا حل تلاش کرنے کے خواہاں تھے:

انسان کو راز جو بنایا
راز اس کی نگاہ سے چھپایا
بے تاب ہے ذوق اس آگہی کا
کھلتا نہیں بھید زندگی کا

اُنھوں نے یہ اصولِ زندگی اختیار کیا کہ فہم وفراست کا برابر استعمال جاری رہے کہ شاید پیچیدہ مسائل حل ہوجائیں اور ہر جمود کا خاتمہ ہو:

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

وہ قدامت پرست نہیں تھے بلکہ ہر نئی پیشکش علم وفن کے میدان میں انھیں نئی کتابیں پڑھنے اور اُن پر غور وخوض کے بعد نئے پہلو تلاش کرنے پر آمادہ کرتی تھی:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

اُنھوں نے جو تنقید کے ذریعے انگریزی اور اردو ادب میں اعلیٰ مقام حاصل کیا اور اپنی نکتہ سنج طبیعت کے ذریعے ان چیزوں کی نشان دہی کی کہ جس کا اعتراف مغرب کے عالموں نے کیا۔ اردو کے شیدائی ان کی جدت اور عقل ودانش کے قائل ہوئے، اُس کی جھلک اس شعر میں ملتی ہے جو علامہ نے خود کہا:

زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھ کو
مثالِ ماہ اُڑھائی قبائے زر تجھ کو

وہ ادب کے طالب علم ہونے کے سبب فطرت کی صناعی اور رعنائی کے شیدا تھے اور اس حسنِ بیش بہا کا نظارہ ان کے لیے ہمیشہ فرحت بخش ہوا کرتا تھا۔ وہ پھولوں کی آبیاری پر وقت صَرف کرتے تھے، اُن کی خوب صورتی کا ذکر کرتے تھے اور پھولوں کے بے شمار نمونے اور اُن کے نام اُنھیں ازبر تھے:

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں، قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

سادگی اُن کے مزاج کا حصہ تھی گو کہ وہ اچھا لباس زیب تن کرنے کے قائل تھے، لیکن کسی کے آگے سرنگوں ہوکر ستائش حاصل کرنے سے پرہیز کرتے تھے کیوں کہ بقول شاعرِ مشرق:

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

اگر ایک جانب وہ نہایت ماہر مقرر تھے جو اپنے دلائل اور علمیت کے ذریعے محفل پر چھا جاتے تھے اور اپنا موقف نہایت پُراثر انداز میں بیان کرکے اپنی بات قاری تک پہنچا کر اسے مطمئن کردیتے تھے، اُسی قدر ایک عام محفل کے دوران گفتگو میں اختصار پر اکتفا کرتے تھے:

کہیں سرمایۂ محفل تھی میری گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشاں کرگئی میری کم آمیزی

وہ نہایت بلند حوصلہ تھے اور ایک پُراُمید نظریہ ہر شے سے متعلق اُنھیں مایوس نہیں کرتا تھا۔ وہ ہر طرف روشنی تلاش کرنے کے قائل تھے:

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا ایک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہین ہے، پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

وہ انسان کی زندگی پر یقیناً فلسفیانہ نظر رکھتے تھے اور اس معمۂ حیات کی باریکیوں پر غور کرتے تھے:

کوئی اب تک یہ نہ سمجھا انساں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

اُن کی خاموشی محض تنہائی پسندی کی غماز نہیں تھی بلکہ اس میں پوشیدہ تھی وہ غور وفکر کی کیفیت جس کے ذریعے اُن کے شہ پارے وجود میں آتے تھے اور یہ عمل ایک الہامی صورت اختیار کیے رکھتا تھا۔ جب تک وہ اپنی تحریر کو مکمل نہ کرلیں:

وہ خموشی شام کہ جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

وہ انسان اور انسانی زندگی کو ہر شے سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے اسی لیے اس کی حفاظت اور اسے کامیاب بنانے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور اس کے علاوہ تمام سیارے محض تماشائی تھے جو انسان کو فوائد پہنچانے کے لیے وجود میں آئے تھے:

ہے گرمی آدم سے ہنگامہ عالم گرم
سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی

اُن کے عقائد اتنے مضبوط اور ایمان اتنا پختہ تھا کہ اس کی نفی نہ خود نہ کسی دوسرے کے ذریعے اُنھیں منظور تھی:

کھو دیے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند

وہ پیری کو بھی مایوسی اور کاہلی سے بہ رنگ اور دیرینہ بنانے کے قائل نہیں تھے کیوں کہ یہ سب علامتیں زوال کی نشان دہی کرتی ہیں اور زندگی تو رواں دواں ہے جب تک اُس میں حرارت ہے:

جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگِ شباب
برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

وقت کے گزرنے، اُس کی ستم ظریفی، اُس کے تجسّس اور لمحہ بہ لمحہ بدلتے لمحات احساس، اُس کی برباد کرنے کی طاقت اور برابر حرکت میں رہنا جو اُس کی فطرت کا راز ہے وہ اُس کے بارے میں گفتگو کرتے تھے:

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
ستم اُس کی موجوں کا سہتی ہوئی
تجسّس کی راہیں بدلتی ہوئی
دمادم نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اُس کے ہاتھوں میں سنگ گراں
پہاڑ اُس کی ضربوں سے ریگ رواں
سفر اس کا انجام و آغاز ہے
یہی اس کی تقویم کا راز ہے

وہ موت کی فنا کرنے کی طاقت پر یقین رکھتے تھے، لیکن پھر بھی انسان کے وجود کا اہم حصہ موت کی گرفت سے باہر ہے:

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اُن کے نزدیک انسان کا وجود بڑا عجیب وغریب ہے اور وہ ہر اعتبار سے مکمل بھی ہے اگر اس کا دل اُس کی رہنمائی کرتا ہے تو وہ خود ایک روشنی پھیلانے کا ذریعہ ہے، باقی تمام جادوئی دنیا کی جھلک ہے:

تیری قندیل ہے ترا دل
تو آپ ہی اپنی روشنائی

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمودِ سیمیائی

وہ اپنی دنیا خود آباد کرنے کے قائل تھے اور آزادی میں زندگی گزارنے کو زندگی کی وسعت قرار دیتے تھے:

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

ایک خدا یعنی وحدت پر اُن کا یقینِ محکم اور اس ذات کے علاوہ ہر چیز کی نفی اُن کا ایمان تھا اور اس ضمن میں شاعرِ مشرق نے فرمایا:

نہ ہے زماں نہ مکاں لاالٰہ الا اللہ

وہ دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ضرور کرتے تھے، لیکن یہ حقیقت اُن کے حواس ہو مسلط ہر کر اُنھیں اُن کے مقاصد سے اُن کی علم حاصل کرنے کی شدید خواہش اور اس سلسلے میں اُن کی جدوجہد سے غافل نہیں کرتی تھی کیوں کہ قنوطیت قطعی اُن کے مزاج کا حصہ نہیں تھی وہ تو زندگی کے ہر پہلو پر غور کرتے تھے:

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

وہ آنکھ کے ذریعے غم کے اظہار کا تصور کرتے تھے اور اس کے حساس ہونے کا بھی تذکرہ کرتے تھے، لیکن وہ آنکھ بصیرت کا ذریعہ، علم وفن حاصل کرنے میں مددگار ایک روشنی کا پیامبر بھی تو تھی:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

وہ شاید اس بات کو ذہن میں محفوظ رکھتے تھے کہ خدا کی بنائی ہوئی اشیا ایک طرف اور انسان کی ایجاد دوسری جانب گویا کارسازِ جہاں کی نعمتوں کا بہترین استعمال ہے:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم

بیباں و کوہسار و باغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم

وہ اپنے محبوب شاعر علامہ اقبال اور بعض معروف انگریزی مصنّفین کی طرح جذبات کو ترجیح دیتے تھے، مشینی دور کی ایجادات پر اور اُن آلات پر جو اس دور میں مقبول ہو رہے ہیں۔ اس طرح انسان کی تخلیق کرنے کی صلاحیت، اُس کی آزادیٔ طبیعت اور جوش وولولے ماند پڑ جاتے ہیں اگر اُن کی آبیاری نہ کی جائے۔ اُن کے سینے میں کتنے راز پوشیدہ تھے اس کا علم خود اُن کو تھا کیوں کہ وہ کسی سے کوئی بات کم وبیش ہی بیان کرتے تھے۔ یہ اُن کا اصول تھا کہ جو چیز قابلِ ذکر نہ ہو اور اُس کا تذکرہ کرنے سے فساد پھیلتا ہے اُسے مخفی رکھنا بہتر ہے:

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول میں غمازِ چمن

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مانندِ خورشید اُن کے حاصل کیے گئے علم نے اُنھیں جو بصیرت اور شہرت عطا کی اور اُنھوں نے اپنی تمام خوش نما زندگی کے بہترین ماہ وسال جس ادب کی افزائش پر خرچ کیے اُس نے اُنھیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا کہ جس کی تمنا لوگ کرتے ہیں اور کم ہی اُس کے اہل ثابت ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے ایک عبادت گزار شخص کی طرح حصولِ علم کو اپنی زندگی کا ترانہ پیش کر دیا:

حسن تیرا جب ہوا بامِ فلک سے جلوہ گر
آنکھ سے اُڑتا ہے یک دم خواب کی مے کا اثر
نور سے معمور ہو جاتا ہے دامانِ نظر
کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیا تیری

وہ حقیقت پسند اور حق گو تھے چاہے اُس کے نقصانات اُن کی زندگی پر اثر انداز ہوں، اُنھیں اس زیاں سے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ مطمئن ہو جاتے تھے کہ میں نے سچ کا دامن نہیں چھوڑا اور اپنی بات برملا کہی:

حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے

اسی طرح وہ ولولہ انگیز طبیعت کے مالک تھے جس کے تحت ہر لمحہ وہ کسی نہ کسی تحقیقی کام میں مصروف رہتے تھے تاکہ دل اور ذہن بیدار رہیں اور کوئی گوشہ اُن کے ذہن کا تاریک نہ ہو اور دل زندہ وجاوداں رہے نئے جذبوں کے اثر سے:

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

توحید کا احساس، اُس پر یقین اُن کی روح میں سرایت کر چکا تھا جس کا اظہار ڈاکٹر اقبال کی طرح اُن کی تحریر وتقریر میں ہمیشہ عیاں رہتا تھا۔ وہ اپنی ہر کامیابی کا من اسی کو تسلیم کرتے تھے:

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

اُنھوں نے اپنے ذہن کی آبیاری خود کی تھی اُن چیزوں کا انتخاب کر کے جو اُن کے مزاج کے مطابق تھیں، یعنی اُس علم سے شغف اور اُس کا مطالعہ جو اُن کے خیالات کو اُبھارتا تھا اُس میں توسیع پیدا کرتا تھا اور اس انداز سے اُنھوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ نہایت موزوں تھا اُن کی ہر کامیابی کا ذریعہ:

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ

اُنھوں نے اپنی شریکِ حیات کے وجود کو بھی فراموش نہیں کیا گو کہ وہ ہر وقت مطالعہ میں غرق رہتے تھے، لیکن اُن کی اہمیت کا احساس اور اُن کے حقوق کی ادائیگی میں اُنھوں نے کوئی کوتاہی نہیں برتی:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

وہ اس وسیع کائنات کا مطالعہ اپنی بصیرت کے توسط سے کرتے تھے اور اُن کا عقیدہ تھا کہ اگر انسان اس ذوق وشوق کا اظہار نہ کرے اور کائنات کا جائزہ اسی جذبے کے تحت نہ لے تو وہ ہر اعتبار سے قابلِ تمسخر

ہےاوراُس کاوجود بےمعنی ہے:

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رُسوائی!

وہ جس باریک بینی سے ہر چیز کا تجزیہ کرتے تھے اور جو نکتے ادب کے مطالعہ کے دوران پیدا کرتے تھے اسی کی جھلک وہ دوسروں میں بھی دیکھنا چاہتے تھے:

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا!

آخری ایام میں وہ کسی قدر کبیدہ خاطر اور گوشہ نشین ہوگئے تھے کیوں کہ ہنگامہ آرائی اور آرائشِ محفل سے وہ بیزار نظر آتے تھے۔ اب ذہن جو سوچتا تھا اُس کا اظہار تحریر و تقریر کے ذریعے ممکن نہیں تھا اور وہ اس کیفیت سے پریشان تھے:

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈھتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

اور پھر رفتہ رفتہ وہ اپنی ہی دنیا میں کھو گئے کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہ پھول تھا جو چمنستانِ علم کا زندہ وجود تھا اور وہ اپنی خوبیوں سے بےخبر ہوتا جارہا تھا:

کس زباں سے اے گلِ پژمردہ تجھ کو گل کہوں؟
کس طرح تجھ کو تمنائے دلِ بلبل کہوں
نام تھا سخنِ گلستاں میں گلِ خنداں ترا
تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اُداسی میں دلِ ویراں مرا

جب وہ رخصت ہوگئے تو تمام وجود خاموش ہوگیا۔ وہ آنکھیں جو اُن کی ذہانت کا عکس تھیں بند ہوگئیں۔ وہ قلب جو تمام خوش گوار جذبوں کا مرکز تھا سرد ہوگیا۔ وہ ذہن جو خیالات کا سرمایہ تھا تاریک ہوگیا، لیکن وہ شاید اب بھی دبستانِ ادب میں ایک درخشاں ستارے کی مانند روشن ہیں اور اس طرح اپنے علم و فضل کی وجہ سے اب بھی موجود ہیں اور شاید ہمیشہ اسی طرح یاد کیے جائیں گے جیسے فطرت کے خوب صورت شاہکار ہر طرف نظر آتے ہیں، فنا نہیں ہوتے۔ اُن کے تحریر کیے گئے مضامین اور کتابیں بار بار زندگی کی علامت کے لقب سے منسوب کی جائیں گی اور وہ زندہ رہیں گے:

اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں
سینۂ ویراں میں جانِ رفتہ آسکتی نہیں
مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

◆◆◆

سائنس کے دلچسپ مضامین

اس کتاب کے مصنف محمد خلیل بنیادی طور پر ایک سائنس داں ہیں۔ انھوں نے طویل عرصے تک مرکزی حکومت کے زیر انتظام شائع ہونے والے میگزین ''سائنس کی دنیا'' کی ادارت کی ہے۔ وہ اس بات سے بڑی حد تک واقف ہیں کہ بچوں کے لیے کس طرح کے سائنسی مضامین پیش کریں۔ اس کتاب میں انھوں نے سادہ اور سہل انداز میں بچوں کو سائنس کی باتیں بتائی ہیں اور انھیں یہ سمجھایا ہے کہ سائنس کوئی مشکل موضوع نہیں ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ان موضوعات کو منتخب کیا ہے جو ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں اور باتوں باتوں میں بچوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سائنس کی ترقیات نے انسانی زندگی پر بڑا مثبت اثر ڈالا ہے اور انسانی زندگی کے اکثر شعبے سائنس کے اثرات سے خالی نہیں ہیں۔ اس کتاب میں شامل بعض مضامین ایسے ہیں جو بچوں کے ساتھ بڑوں کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول کریں گے۔

مصنف: محمد خلیل صفحات: ۸۰، قیمت: تیس روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی